مرثیہ درحال سید الشہداء حضرت امام حسینؑ (بند-۱۶۴)

سلطان الشعراء مولانا سید محمد کاظم جاوید اجتہادی مرحوم

(۱)

ہاں زباں طبعِ خداداد کی قدرت دکھلا
جو کہ حصہ میں ہے برسوں سے وہ جودت دکھلا
بند ہوں جس سے زبانیں وہ طلاقت دکھلا
فصل پیری میں جوانی کی طبیعت دکھلا
ہو رواں تو کہ میں جنت شہ ابرار سے لوں
کام سو، ایک میں چلتی ہوئی تلوار سے لوں

(۲)

یہ وہ تلوار ہے جس کا ہے معرف عالم
کسی حالت میں روانی کبھی ہوتی نہیں کم
جھک کے چل جانے پہ ہے باعث افزائش غم
اسی تلوار کا کھنچ جانے سے بڑھ جاتا ہے دم
رنگ محفل کا بدلتی ہے یہ تقدیر کے ساتھ
کاٹھی اس کی نہیں جوہر ہیں یہ شمشیر کے ساتھ

(۳)

چل کے رکنے کا دہن میں نہ کبھی نام لیا
جوہروں سے دل عالم کو تہہ دام لیا
جب سنا غیر نے یہ نام، جگر تھام لیا
دل لہو کردئے تیزی کا اگر نام لیا
لطف تو یہ ہے ہوئی اور کھری چلنے میں
بن گئی بوئے نسیم سحری چلنے میں

(۴)

اب وہ پہلا سا خیال ہمہ دانی نہ رہا
سچ ہے وہ ولولۂ و ذوق جوانی نہ رہا
ہاں سفینہ تو رہا زور روانی نہ رہا
خاک اُس بحر پہ ہے جس میں کہ پانی نہ رہا
شامل حال وہ خوبیٔ مقدر نہ رہی
آبرو گھٹ کے گہر کے بھی برابر نہ رہی

(۵)

اس کو ہر اک کی مدد مدنظر رہتی ہے
کام بن جاتا ہے اس کا یہ جدھر رہتی ہے
معرکہ میں یہ سدا سینہ سپر رہتی ہے
کبھی دکھلا کے چمک نجم سحر رہتی ہے
اس کے جوہر کو بھی آئینے کی پرواہی نہیں
اس کے تاروں کو کبھی ڈوبتے دیکھا ہی نہیں

(۶)

دوست بھی سب کی یہی دشمن جانی بھی یہی
دیتا[1] ہے موت کا پیغام زبانی بھی یہی
شاخ نصرت بھی ظفر کی ہے نشانی بھی یہی
آگ بھی ہے یہی اور زور کا پانی بھی یہی
قہر ہوتا ہے یہ طوفان جہاں اٹھتا ہے
جوہر اس کے نہیں پانی سے دھواں اٹھتا ہے

---

(۱) دیتی

(۷)

یہ اگر چپ رہے تو قلب سے ممکن نہیں صبر
اس کے دوری کا نفس تک نہیں سہ سکتے جبر
یہ چمک جانے میں بجلی ہے برس جانے میں ابر
خود ہے مردے کی طرح اور دہن کیا ہے وہ قبر
تازگی ہو جو نفس تک سے ملاقات کرے
جان مردوں میں ابھی آئے جو یہ بات کرے

(۸)

اشک غم اس کی خموشی پہ صدا بہتے ہیں
اُن کا دم گھٹتا ہے جو مدح میں چپ رہتے ہیں
مردے جی اٹھتے ہیں کب رنج فنا سہتے ہیں
اس کو دنیا میں مسیحا نفسی کہتے ہیں
جان کیوں کر نہ فدا ہو اسی افسانے پر
نبض مردہ اسے سمجھا ہوں میں رک جانے پر

(۹)

زخم اس کا کبھی اچھا نہیں ہوتا ہے یہ قہر
اس کی تاثیر ہے یہ سانپ کے کاٹے کی ہے لہر
اسی تلوار کا رگ رگ میں چھٹک جاتا ہے زہر
سچ ہے کوثر سے ہی نکلی ہے یہ بہتی ہوئی نہر
چشمہ فیض ہے ظاہر ہے نشانی اس کی
دل حاسد سے کوئی پوچھے روانی اس کی

(۱۰)

اب معانی و نظامی پہ ہو کیا فوق مجھے
کہ نہ پہلی سی توجہ ہے نہ ہے ذوق مجھے
ہاں کسی عہد میں کہنے کا بھی تھا شوق مجھے
حلقۂ غم نے پنہایا ہے نیا طوق مجھے
لطف صدموں کا بھی مل جاتا ہے ناشادی میں
اب اسیری کا مزا ہے مجھے آزادی میں

(۱۱)

قابل قدر ہو کس طرح نہ یہ بزم عزا
سب سخن فہم و سخن سنج ہوئے ہیں اک جا
مجتہد بیٹھے ہیں دو اور ہیں دونوں یکتا
حامی دین خدا ناشر شرع غرا
ان کے دروازے پہ گر ناصیہ سائی ہوگی
تا در مہدیؑ دیں جلد رسائی ہوگی

(۱۲)

چپ رہے درد رسیدہ کو اسی کا ہے مزا
مرثیہ میں ہوں فسانے یہ نہیں ہے زیبا
لیجئے دکھتے ہوئے دل کی خبر یا مولا
آپ پر ظلم ہوئے جب تو کوئی اور ہے کیا
نہ سہارا مجھے بیٹے کا ہے نہ بھائی کا
ساتھ دیتا ہوں فقط آپ کی تنہائی کا

(۱۳)

شب عاشورِ محرم کا پھر آیا ہے خیال
بین وہ بیبیوں کے اور پریشانئ حال
کئی دن سے کہیں پانی کا جو ملنا ہے محال
بچے کچھ کررہے ہیں نرگسی آنکھوں سے سوال
سب کو بھاتا ہے دم تشنہ دہانی پانی
آتی ہے سینوں سے آواز کہ پانی پانی

(۱۴)

تشنگی بڑھ جو گئی آنکھوں میں حلقے بھی پڑے
دل میں تا صبح بہت نشتر سر تیز گڑے
رفقا شہ کے تصور میں ہزاروں سے لڑے
شام سے سوئے تھے خیموں میں نہ چھوٹے نہ بڑے
کچھ اندھیرے سے کلی دل کی نہ کھل سکتی تھی
نیند کو راہ بھی آنکھوں کی نہ مل سکتی تھی

(۱۵)

پہلواں شام کے لشکر کے بھی سب تھے خاموش
معرکہ کیا ہے سحر کو نہیں اس کا بھی تو ہوش
پردۂ شب میں اسی وجہ سے وہ ہیں خاموش
عمر کے ساتھ گھٹا جاتا ہے لڑنے کا بھی جوش
پہلوئے ظلم جدا کب ہے ستم گاروں سے
خون سادات کی بو آتی ہے تلواروں سے

(۱۶)

اس طرف سب ہیں عزیزان شہ دیں باہم
صبح میں دیر ہے اور جوش ابھی سے نہیں کم
سچ تو ہے سبط پیمبرؐ کو غنیمت ہے یہ دم
ہے ستاروں پہ چراغ سحری کا عالم
دید کے جو کہ ہیں مشتاق وہ کیا پائیں گے
یہ چراغ ایسے ہیں جو صبح کو بجھ جائیں گے

(۱۷)

قصد میں فرق سحر کو نہ سرمو نکلیں
جلد خیمے بھی حبابوں کے لب جو نکلیں
باتوں باتوں میں جو سو درد کے پہلو نکلیں
کیوں نہ آنکھوں سے تڑپتے ہوئے آنسو نکلیں
یادگار اہل جہاں پر ہے تباہی شب کی
سرمہ آنکھوں میں لگاتی ہے سیاہی شب کی

(۱۸)

ہوش اڑانے کے لئے تازہ خبر بھی آئی
نوبت زخم دل و زخم جگر بھی آئی
موت کی شکل اندھیرے میں نظر بھی آئی
ان کو جب نیند بھی آئی تو سحر بھی آئی
نہیں معلوم کہ احسان ہے[۱] کیا کیا رکھا
صبح نے زخموں پہ کافور کا پھاہا رکھا

(۱) بھی

(۱۹)

حسن سے چاک ہوا پھر سے گریبان سحر
جلوہ افگن ہوا پھر نیر تابان سحر
بے بلائے ہوئے سب آگئے مہمان سحر
وہ ہوا چلنے لگی تھم کے جو تھی جان سحر
کون سے قلب کو انداز یہ پیارے نہ ہوئے
واہ کچھ دیر بھی[۲] سبزے سے اشارے نہ ہوئے

(۲۰)

جو کھلے پھول ہوئے بس وہ طرفدار سحر
رنگ اڑنے سے رخوں کے ہوئے آثار سحر
کروٹیں لینے لگے شوق میں بیمار سحر
خون کرتے تھے تمنا کا خریدار سحر
چھوڑ کر رنگ کے دامن کو کدھر جائے لہو
کسی پتے[۳] کو نچوڑو تو نکل آئے لہو

(۲۱)

عاشق رخ نہ کبھی کوئی تقاضا کرتے
دید ہوتی جو میسر تو نہ شکوا کرتے
اشتیاق اور بھی بڑھ جاتے تو پھر کیا کرتے
منہ اسی آئینہ صبح میں دیکھا کرتے
کثرت داغ سے کب دل کی برائی ہوتی
ایک غنچہ میں گلستاں کی سمائی ہوتی

(۲۲)

مفت میں سامنے تابندہ نگینہ آیا
بڑھ گیا حسن جو ماتھے پہ پسینہ آیا
آرزوں کا تلاطم میں سفینہ آیا
مسکرانے کا گل تر کو قرینہ آیا
شاخ امید برومند ہوئی پھلنے لگی
بس بس اب قلب عنا دل پہ چھری چلنے لگی

(۲) ہی (۳) پتی

(۲۳)

اس طرح کب چمن دہر میں آئی تھی بہار
ایک ہیں عاشق ومعشوق یہ ہرسو ہے پکار
قلب صد پارۂ بلبل پہ ہر اک جان نثار
کیوں نہ ہوں جامۂ گل میں بھی گریبان ہزار
سچ تو یہ ہے کہ نہ خشکی نہ تری نے کھینچا
دل کو کھینچا تو نسیم سحری نے کھینچا

(۲۴)

بلبل و گل میں نئی آج مدارات ہوئی
دل کے لے لینے کی پردے میں یہی گھات ہوئی
آگئی جان جو پھولوں سے کوئی بات ہوئی
دل بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ملاقات ہوئی
نیند سبزے کی ہوا چل کے اڑا آتی ہے
ایک کو آج ہنسی اک کو حیا آتی ہے

(۲۵)

عکس نے جانے کی گردوں پہ بھی زحمت دی ہے
ہوش (وہ) باقی (تھے) مے میں نے بھی ایسی پی ہے
آسماں پر بھی شفق نے ابھی سرخی لی ہے
سرخ پھولوں نے غضب آگ چمن میں دی ہے
بوئے گل ہو جدھر آوارہ ادھر کم جائے
رنگ چہروں سے اڑیں گر تو ہوا تھم جائے

(۲۶)

بلبلوں کی نہ ہوں کیوں دشمن جانی کوپل
نہر پر اور صفائی میں ہے پانی کوپل
جان گل یا دل بلبل کی نشانی کوپل
زہر پھیلا رہی ہے نہر میں دھانی کوپل
دل میں سو نشتر سرتیز گڑے جاتے ہیں
چھالے موجوں پہ حبابوں کے پڑے جاتے ہیں

(۲۷)

ہر ادائے گل تر باغ میں ہے اور بھی قہر
اضطراب دل عاشق کی خبر دیتی ہے لہر
عکس پھولوں کا جو پڑتا ہے تو رنگین ہے نہر
سبز پتوں کا چھٹکنے نہیں پاتا کہیں زہر
مفت میں ہے یہ غم اشک فشانی کیسا
خون فواروں سے نکلا کرے پانی کیسا

(۲۸)

سب کو تزئین چمن مد نظر ہوگئی ہے
حالت قلب وجگر نوع دگر ہوگئی ہے
خواب انداز گل تر کی خبر ہوگئی ہے
غنچے کہتے ہیں چٹک کر کہ سحر ہوگئی ہے
تحفہ شرم ہے نذررہ اندازۂ باغ
بوئے گل کھول گئی صبح سے دروازۂ باغ

(۲۹)

ٹکڑے ٹکڑے تھے نہ یوں قلب وجگر کے پہلے
حسن آفت تھی نہ روئے گل تر کے پہلے
لے لیں بوسے وہی سب پائے نظر کے پہلے
باغ میں جن کی رسائی ہو سحر کے پہلے
آج گلشن میں یہ بانازوادا چلتی ہے
جس سے جل جاتا ہے تیر ایسی ہوا چلتی ہے

(۳۰)

بڑھ گئی دھوپ تو گرمی کا زمانہ آیا
ہر گل تازہ کا رنگ اور بھی کچھ سونلایا
جو گھنا نخل تھا وہ ریت کا تھا سرمایا
پاؤں پر گرنے لگا دوڑ کے آخر سایا
نخل جل جاتے تھے جب گرم ہوا آتی تھی
قوت نشوونما جذب ہوئی جاتی تھی

(۳۱)

روز عاشور کی گرمی کا بیاں ہو کیوں کر
گرم اشکوں سے حبابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں تر
موجیں بیتاب تھیں چکر میں جو آئے تھے بھنور
نہر تھی یا کہ پڑی تھی کوئی سوکھی چادر
پانی ملنے سے بھی حدت کا یہ اسلوب نہ جائے
نہر خود اپنے پسینے میں کہیں ڈوب نہ جائے

(۳۲)

رفقا اٹھے تو آنکھوں میں تری آنے لگی
نوبت شدت درد جگری آنے لگی
سامنے آنکھوں کے اک تازہ پری آنے لگی
ٹھنڈی سانوں کی نسیم سحری آنے لگی
اپنا مطلب بھی ہوا غیر کو راحت دے کر
اب ہوا اڑ گئی شیروں کا پسینہ لے کر

(۳۳)

جان آئی جو قریب آگیا ہنگام جدل
سمجھے ساونت کہ اب آگیا لڑنے کا محل
جب امنڈ آئے ادھر فوج جفا کے بادل
یہ لڑے یوں کہ شجاعت پہ کیا پھر سے عمل
حق ادا اپنی مروت کا کئے جاتا تھا
خون بھی زخمیوں کا ساتھ دئے جاتا تھا

(۳۴)

دوست رکھتے تھے بہت سید والا ان کو
بڑھ کے خود ڈھونڈھتا تھا سایۂ طوبیٰ ان کو
دھوپ بڑھنے سے بڑھی پیاس کی ایذا ان کو
دور سے لہریں دکھانے لگا دریا ان کو
دامن ان کے گل امید سے یوں بھر بھی گئے
آخر کار لیا اذن، لڑے، مر بھی گئے

(۳۵)

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم جہاد
یوں لڑے سب کہ علیؑ آگئے ہر ایک کو یاد
کر گئے سبط پیمبرؐ کی ریاضت برباد
بے اثر ہوگئی تھی سبط نبیؐ کی فریاد
حال گرمی کا سناشہ کے عزاداروں نے
انہیں پیاسوں کے لہو بھی پئے تلواروں نے

(۳۶)

نوبت آئی جو عزیزوں کی تو رونے لگے شاہ
پہلے بدلی میں چھپے مسلم مظلوم کے (ماہ)
بعد گھر خواہر حضرت کا ہوا رن میں تباہ
مرگ قاسم کا تو صدمہ تھا نہایت جاں کاہ
پائے دوداغ قیامت کے دل مضطر نے
بھائی کے ہاتھ کٹے، کھائی سناں اکبر نے

(۳۷)

شہ چلے گھر کو خدا حافظ وناصر کہہ کر
در خیمہ پہ جو پہنچے تو ہوئی گھر میں خبر
بی بیاں در کے قریب آگئیں کھولے ہوئے سر
رو کے کہنے لگی یہ زینب تفتیدہ جگر
خیر آنکھوں سے حدرنج ومحن دیکھ تو لے
آیئے آیئے گھر میں کہ بہن دیکھ تو لے

(۳۸)

کہا کیا آؤں کہ ہے خاک پہ عباس کی لاش
بعد اکبر کے مرے زیست نہ ہوتی اے کاش
اُسی برچھی کی مرے زخم جگر میں ہے خراش
تابہ جنت ہی رہے گی علی اکبر کی تلاش
سخت دشوار ہے ملنا بھی بہن اب ان کا
یہ قبا پر مری سب خون ہے زینب ان کا

(۳۹)

آئے گھر میں تو کہا جان حزیں کھوتے ہیں
کچھ خبر ان کو نہیں جن کے لئے روتے ہیں
شانے کٹوائے ہوئے نہر پہ اک[1] سوتے ہیں
شان کہتی ہے کہ ایسے ہی جری ہوتے ہیں
کیوں معرف نہ رہیں حق کے فدائی ان کے
حشر تک اب رہے[2] قبضہ میں ترائی ان کے

(۴۰)

چاہئے فضل خداوند دوعالم پہ نگاہ
صبر تو خاص اسی گھر کا چلن ہے واللہ
خیر اب جاتے ہیں حالت نہ کرو غم سے تباہ
تم یہ سمجھو کہ مسافر کی نہیں روکتے راہ
بعد کیا ہوگا مجھے اس کا ذرا دھیان نہیں
یہ مصائب ہیں مگر جی تو پریشان نہیں

(۴۱)

کوئی چارہ نہیں مظلوم کو بے جان دیئے
پیاس سے پھنک گیا دل، اس پہ بھی شکوے نہ کئے
لاش اکبر کی فقط دیکھنے کچھ دیر جئے
تم نہ آنا مرے لاشے پہ سکینہ کو لئے
مجھ کو امید اسی سے ہے جو سب کا رب ہے
امت جد کی شفاعت سے مجھے مطلب ہے

(۴۲)

عرض زینب نے یہ کی آپ کو میں دوں رخصت
دل میں صدموں کے اٹھانے کی نہیں اب طاقت
مجھ کو مرجانے سے بدتر ہے ملال فرقت
میری تربت کو بنالیں تو سدھاریں حضرت
رو چکی صبح سے میں بھی تو بہتر کے لئے
آپ کو بھیج دوں میں نیزہ و خنجر کے لئے

(۴۳)

کہا حق سب ہے مگر زور مقدر سے نہیں
کوئی انسان کا بس مرضی داور سے نہیں
مجھ کو امید وفا فوج ستمگر سے نہیں
دل کو منظور فراق اب علی اکبر سے نہیں
سب پر افسانۂ اندوہ وبلا کہہ دینا
خیر عابدؑ کو مسافر کی دعا کہہ دینا

(۴۴)

اُس تلاطم میں ہوا عرصۂ محشر کا گماں
پہلے تادیر سکینہ رہی سرگرم فغاں
پھر کہا تھام کے دامن کو چلے آپ کہاں
کہا بی بی وہیں جاتے ہیں کہ اکبر ہیں جہاں
صبر اس غم میں مرے قلب سے ناممکن ہے
ہاں ترے خاک پہ سونے کا یہ پہلا دن ہے

(۴۵)

شام کی راہ میں گذریں گی جفائیں تم پر
مجھ کو تو علم امامت سے ہے اس کی بھی خبر
منزل حمص کا سامان بھی ہے پیش نظر
ایک دن دھوپ کڑی اور ہے پیاسا لشکر
دل مردہ کو برودت سے جلادے پانی
شمر کو حکم ملے گا کہ پلادے پانی

(۴۶)

اس طرف آج کئی دن سے ہے پانی نایاب
پیاس سے تم بھی بہت ہوگی مری جاں بیتاب
پہلے تو ساتھ ہی ساتھ اس کے پھروگی بہ حجاب
دے گی آخر میں تمہیں طاقت رفتار جواب
ارے جلاد دم تشنہ دہانی دے دے
ہاتھ تم ننھے سے جوڑوگی کہ پانی دے دے

(۱) اب (۲) رہی

(۴۷)

اس کے آخر میں جو بچ جائے گا پانی تھوڑا
پھر کہو گی کہ مجھے پیاس سے ہے سخت ایذا
اس کے دل میں تو ازل سے بھی[1] نہیں رحم کی جا
یوں تو وہ سب کے سنانے کو کہے گا اچھا
ساری ایذائیں ہیں احمدؐ کے گھرانے کے لئے
خاک پر پانی بہادے گا رلانے کے لئے

(۴۸)

صبر کرنا کہ بہت صبر سے خوش ہے داور
اس گذرگاہ سے ہر ایک کو لازم ہے سفر
بعد میرے نہ بہت قید میں ہونا مضطر
تم کو آرام پدر کا نہیں کیا مد نظر
چھوڑ کر سب کو تڑپتا شہ بے پر نکلے
لے کے بس نام علیؑ گھر سے یہ باہر نکلے

(۴۹)

تھا فرس آپ کا آئین ادب سے آگاہ
جلوہ افروز ہوئے رخش پہ باعزت و جاہ
رعب وہ رعب کہ پسپا ہوئی دشمن کی سپاہ
دیکھنے والوں کو یاد آگئی حیدرؑ کی نگاہ
ٹیک کر شیر ہر اک خاک پہ سینہ بیٹھا
آپ گھوڑے پہ کہ خاتم پہ نگینہ بیٹھا

(۵۰)

شیر کی طرح کشادہ تھا جو سینہ ان کا
شور تھا مثل ید اللہ ہے قرینہ ان کا
پیاس کہتی ہے کہ دشوار ہے جینا ان کا
حوریں کوثر میں ملاتی ہیں پسینہ ان کا
شہ کو مسرور و فرحناک جو سب پاتے ہیں
غنچے اُس سمت تبسم کو لئے جاتے ہیں

(۵۱)

ذو الفقار اسد حق کو جو پیہم تولے
کس کی طاقت ہے کہ پھر سامنے آکر بولے
آئے جنت کی ہوا بھی تو لڑائی ہولے
کبھی باندھے تو کبھی بند قبا کو کھولے
مطمئن رہتے ہیں میداں میں اسد گھر کی طرح
آستیں الٹے ہیں شہ فاتح خیبر کی طرح

(۵۲)

متصل فوج کے جائیں گے امام عالی
ہے خوشی سائے کی حاصل ہو اگر پامالی
رخش کہتا ہے مصیبت ہے یہ آنے والی
اب مری پشت رہے[2] تابہ قیامت خالی
یہ خوشی ہے کہ علم تیغ کو کیجے مولا
آخری زور رکابوں پہ بھی دیجے مولا

(۵۳)

در خیمہ سے سپہ تک وہ تلاطم ہے بپا
جو کسی اور کے آنے میں سحر سے نہ ہوا
دیکھتے جاتے ہیں مقتل کی زمیں کو مولا
مصلحت سے ابھی آہستہ چلا ہے گھوڑا
شوق گو جنگ کا تھا پر نہ یکایک آئے
باگ روکے ہوئے شہ لاشوں کی حد تک آئے

(۵۴)

کہا اب آؤ مری لاش اٹھانے والو
کس طرف چھپ گئے اے دہر سے جانے والو
نقش حسرت ہوئے ہستی کے مٹانے والو
ہاتھ بھی رک گئے اے تیغیں لگانے والو
گو شکستہ ہیں پہ ہاتھوں کی صفائی دیکھو
کھل سکے آنکھ تو میری بھی لڑائی دیکھو

---

(۱) ہی

(۲) رہی

(۵۵)

ہیں ملائک بھی تمام اس دردولت کے غلام
یہ شرف کم ہے کہ ہیں آپ امام ابن امام
کہہ دو جبریل امیں سے کہ کریں جھک کے سلام
کبھی لیں نام علیؑ اور کبھی اللہ کا نام
مختصر نظم جو ہے راز بھی کچھ رہ گئے ہیں
عین مکنون خدا ہے جو علیؑ کہہ گئے ہیں

(۵۶)

غل ہے اعدا میں کہ اب آگئے لڑنے حیدرؑ
جو زمانے کو الٹ دیں وہ یہی ہیں تیور
جوڑ کر ہاتھ یہ جبریل کو بھی دے دو خبر
خیر دو چار بچالیجئے باقی ہیں جو پر
اشجع وضارب وسیفی و ولی ہیں کہ نہیں
جب ہیں فرزند انہیں کے تو علیؑ ہیں کہ نہیں

(۵۷)

غیظ سے کہتے ہیں شہ اب مجھے روکو بڑھ کر
کس کی تلوار مرے ہاتھ میں ہے کس کی سپر
افسر فوج کدھر اور کدھر ہے لشکر
یہ وہ تلوار ہے جو دے گئے ہیں خود حیدرؑ
اک نتیجہ بھی ہے ہر فرحت و شادی کے لئے
چھوڑ دوں گا میں اسے مہدیؑ ہادی کے لئے

(۵۸)

سچ ہے جھکنے میں کماں کھینچنے میں تیر بھی ہے
دلکش وہوشربا ہے تو عدو گیر بھی ہے
لشکر شام کی بگڑی ہوئی تقدیر بھی ہے
اسی آئینے میں اک موت کی تصویر بھی ہے
حسن سے زیست کا گر ہے تو سہارا یہ ہے
کہکشاں تیغ ہے قبضہ نہیں تارا یہ ہے

(۵۹)

سب اماموں کے رہی پاس یہ شمشیر دوسر
جن کے ہاتھوں سے چلی دو ہیں فقط وہ صفدر
اک حسینؑ ابن علیؑ دوسرے ہیں وہ حیدر
تیسرے مہدیؑ ہادی ہیں شہ جن وبشر
حکم حق یہ ہے کہ آرام بھی کچھ پائے گی
دو کے کام آچکی اب ایک کے کام آئے گی

(۶۰)

لشکر شام میں غل ہے کہ چلو سوئے سقر
پر جبریل سے رکتی نہیں یہ تیغ دو سر
جوہروں سے ہے یہ ثابت کہ ہنسی ہے لب پر
دو زبانوں پہ یہ اب تک ہے کہ حیدرؑ حیدرؑ
جادۂ منزل فانی کا پتا دیتی ہے
یہ ہنسی وہ ہے جو زخموں کو رلا دیتی ہے

(۶۱)

اب کھلا حال یہ قبضہ نہیں اس کا دل ہے
عمر بھر کی ہے ریاضت تو ثمر حاصل ہے
اس میں کیا ضد کوئی لیلیٰ ہے کوئی محمل ہے
وہ اگر راہ ہے جنت کی تو یہ منزل ہے
سر حساد پہ یہ برق صفت گرتی ہے
اک پری ہاتھ میں شیشے کو لئے پھرتی ہے

(۶۲)

شیر کہتے ہیں زمانہ تہ وبالا دیکھو
آخری چل کے جہاد شہ والا دیکھو
آب تلوار کی اور خون کا بہنا[۱] دیکھو
ایک ہی جا پہ ہیں دو طرح کے دریا دیکھو
جنگ میں منہ کے چھپانے کا بھی الزام نہ لے
ایسے پیاسے سے تو لڑنے کا کوئی نام نہ لے

(۱) دریا

(۶۳)

رخش کا ذکر سنیں وہ جو ہے[1] مشتاق کلام
صبح ہے شام ہے دونوں ہیں اسی کے دو گام
اس کی اُبلی ہوئی آنکھوں سے حیا کا ہے مقام
پانی پانی ہوئے جاتے ہیں چھلکتے ہوئے جام
اس کی پتلی سے ہے حیرت مجھے دہ چند رہی
آنکھ کھلنے پہ بھی شیشے میں پری بند رہی

(۶۴)

رخش فرزند پیمبرؑ ہے نہ کیوں ہو مرغوب
ہے ثنا اس کی حسینوں کے[2] بھی دل سے مطلوب
شوخیاں اس کی ہیں دلکش تو ادائیں محبوب
انتہا ہوگئی محبوب خدا کا محبوبؐ
راہ میں دم نہیں لیتا ہے کہیں پر یہ فرس
آسماں پر ہے براق اور زمیں پر یہ فرس

(۶۵)

جو کہ رک جائے کہیں پر وہ طبیعت کیا ہے
کبھی کہتا ہے کہ صرصر کی حقیقت کیا ہے
میری ٹھوکر سے نہ اٹھے تو قیامت کیا ہے
نبض بیمار ہوا جب ہے تو سرعت کیا ہے
پاؤں سے کیوں نہ ہوں وابستہ یہ جادے میرے
دل راکب سے کوئی پوچھے ارادے میرے

(۶۶)

کیوں قدم پر مرے سایہ نہ فتادہ رہتا
خاک ہوتا جو ذرا دور نہ جادہ رہتا
گر نہ ہر نقش قدم چشم کشادہ رہتا
ورق دفتر ایجاد یہ سادہ رہتا
مچھلیاں کیلوں کی خود کرتی ہیں نظارے بھی
دیکھ لو زیر قدم چاند بھی ہے تارے بھی

(۱) ہیں (۲) کو

(۶۷)

ہاں براق نبوی خوب بھی تھا تیز بھی تھا
آسمانوں کے اُدھر وہ دم مہمیز بھی تھا
کوشش طئِ منازل میں عرق ریز بھی تھا
صفت نکہت غنچہ وہ سبک خیز بھی تھا
شرم کو لے کے پسینہ بھی جبیں پر آیا
دیکھنے وہ مری تیزی کو زمیں پر آیا

(۶۸)

پر[1] نہ آپ آیا نہ آیا کوئی اب تک پیغام
تھا وہ ہر طرح سے منقاد و مطیع اسلام
منھ وہ دنیا میں دکھاتا نہیں حجت ہے تمام
کوئی جائے جو فلک پر تو ذرا کہہ دے سلام
حسب ایمائے علیؑ شاہ ہدا تک پہنچا
دیکھ لے بعد پیمبرؑ میں خدا تک پہنچا

(۶۹)

کوئی پہلو بھی زمانے کو بدلنے نہ دیا
کبھی رستے میں ہوا کو بھی سنبھلنے نہ دیا
زور سے اپنے کسی زور کو چلنے نہ دیا
دوڑتے خون کو رگ رگ سے نکلنے نہ دیا
تیزرو کوئی نظر پر نہ کبھی چڑھتا تھا
اس کی حیرت تھی کہ کیونکر میرا سن بڑھتا تھا

(۷۰)

رخش ایسا تھا سبک رو کہ نظیر اس کا نہ تھا
جب کوئی نقش کہیں پھیل گیا پھول کھلا
دے دیا سم نے کہیں خون تو عقدہ یہ کھلا
بند ہیں پائے حنائی میں لہو کے دریا
عشق کرنے کو کیا عشق کا دم بھر نہ سکیں
مچھلیاں اپنے گلے کاٹ کے بھی مر نہ سکیں

(۱) پھر

(۷۱)

مجھ سے دوری ہو تو دریا کی بھی مٹی ہو خراب
چھو لے قدموں کو مرے یہ بھی نہیں ایک کو تاب
سم جو رکھ دوں تو یہ موجیں تہ و بالا ہوں بر آب
سارے دریا میں نظر آنے لگیں چار حباب
یہ عرق فرط خجالت کا ہے سیلاب نہیں
قسمت بحر کی گردش ہے یہ گرداب نہیں

(۷۲)

بحر پر جب میں چلا موج کو تڑپا کے چلا
جب چلا سرد ترائی کی ہوا کھا کے چلا
آنکھ غصہ کی حبابوں کو بھی دکھلا کے چلا
آگ پانی میں لگا دینے کو گرما کے چلا
چل کے دیکھا نہیں دریا پہ ہوا ہو جانا
اک مشیت ہے حبابوں کا فنا ہوجانا

(۷۳)

اُس طرف تیغ تھی رفتار کی جانب نگراں
جو ہوا ذکر یہاں تک بھی جو پہنچا یہ بیاں
تیز رو شوخ جو ہو اس کو بھلا تاب کہاں
کہا تلوار نے اب چلتی ہے میری بھی زباں
شاخ نصرت کی ہوں میں پھولتی ہوں پھلتی ہوں
پاؤں سے چلتا ہے تو ہاتھ سے میں چلتی ہوں

(۷۴)

طول تقریر سے ہے طبع پریشان وحزیں
جو نہ باتوں میں رکے واہ وہ تھم جائے کہیں
آنکھیں گریہ نہ بچائے تو ٹھکانا ہی نہیں
خاک اس دعوے پہ تیرے کہ ہے محتاج زمیں
جو کہ چلنے سے ہی بڑھتا ہے وہ دم ہے میرا
دوش فرزند ید اللہ پہ قدم ہے میرا

(۷۵)

میں نے باتوں کو تری سن کے ابھی تک ٹالا
میرے قبضہ کا مہ نو بھی بنا تھا ہالہ
آسماں پر جو رہے بات ہے اس کی بالا
ہاتھ قبضہ پر مرے دست خدا نے ڈالا
خود ملک کہہ دیں شرف یہ تجھے بیشک پہنچا
رہ گیا کون بتا کون خدا تک پہنچا

(۷۶)

سیکڑوں داغ ہیں اور ایک ہے سینہ میرا
پوچھ لے جوہروں سے کوئی قرینہ میرا
آگ ہوجاتا ہے گرمی سے پسینہ میرا
تیز دھارے پہ ہوا کے ہے سفینہ میرا
حسن کا حال زبانی بھی نہ سب کہہ جائیں
ہوں وہ جوہر کہ پسینے کے نشاں رہ جائیں

(۷۷)

جو مقابل پہ مرے آئے گا وہ ہوگا ذلیل
جو فلک پر بھی چلے اس کا نہیں کوئی عدیل
میری تقریر ذرا ہوش سے سن لیں جبریل
خون دامان شفق ہے مرے دعوے کی دلیل
گوہر ان کے نہ مقابل ہیں نہ وہ بہتر ہیں
کہکشاں میں ہوں تو انجم ہی مرے جوہر ہیں

(۷۸)

میرے پانی کو ذرا سر سے گذر جانے دیں
جس طرف فوج کا مجمع ہے ادھر جانے دیں
اور جوہر کی ذرا زلف بکھر جانے دیں
اس ادا پر کوئی مرجائے تو مر جانے دیں
کوچۂ زخم کی جانب بھی قدم بڑھتا ہے
جان لیتی ہوں تو کچھ اور بھی دم بڑھتا ہے

(۷۹)

قابل دید ہے عالم میں صفائی میری
اسد اللہ کو بھاتی ہے لڑائی میری
آج تک تو ہے ملائک میں دوہائی میری
چھولے گرما کے اگر تیغ کلائی میری
اثر قرب سے یہ ہو کہ سکوں بھی کم لے
نہ فلک پر کبھی ٹھہرے نہ زمیں پر دم لے

(۸۰)

آتش افشانیاں کم ہوں تو شرر بار نہیں
موت کا کوئی زمانے میں طلب گار نہیں
قبضۂ غیظ میں ہرگز مری سرکار نہیں
زنگ جس تیغ کا منہ دیکھے وہ تلوار نہیں
تن شفاف سے دم بھر کو جدا بھی نہ ہوئے
زخم میرے کبھی ممنون دوا بھی نہ ہوئے

(۸۱)

مختصر یہ ہے کہ بڑھتے گئے اس کے جوہر
ذکر ہے حضرت جبریل کا بھی مد نظر
اڑتی اڑتی تو پروں کی بھی سنی ہوگی خبر
مجھ کو بھی شرم ہے جو رہ گئے وہ رہ گئے پر
دو زبانیں ہیں تو کب عذر سے منہ موڑتی ہوں
پہلے پر کاٹے تھے اب ہاتھ بھی میں جوڑتی ہوں

(۸۲)

چشمکیں کرتی ہر اک درد کے مارے سے چلی
اب چلی تیغ تو حضرت کے اشارے سے چلی
بحر خوں میں نہ کبھی ہٹ کے یہ دھارے سے چلی
موت کے گھاٹ جو سب تھے تو کنارے سے چلی
وہ ہی انجام ہوا جو اسے مطلوب ہوا
نام کو لے کے شقی ڈوب گئے خوب ہوا

(۸۳)

منہ کے بل خاک پہ گرنے لگے وہ بانیٔ شر
ایک کو ایک کی اس وقت نہ تھی کچھ بھی خبر
نہ کھلا حال کدھر آئی گئی رن میں کدھر
سرزمیں پر نہیں کچھ ہیں تو وہی کاسۂ سر
کیا زمیں وقف ہے ہر ایک کے لاشے کے لئے
آنکھیں زخموں نے بھی کھولی ہیں تماشے کے لئے

(۸۴)

سر کا کیا ذکر ہے دل اور جگر کاٹے ہیں
جب گڑھے پاٹے ہیں لاشوں سے ہی سب پاٹے ہیں
بے مزا خون ہیں اس سے نہیں لب چاٹے ہیں
کوچۂ زخم بھی ویران ہے سناٹے ہیں
کہتے ہیں دل کو بھی وہ ظلم کے بانی دے کر
کس طرف چھپ گئے سفاک نشانی دے کر

(۸۵)

خیر دم بھر میں وہ لشکر ہوا سب زیر وزبر
آپ بے حالی[۱] میں ہے فوج، نہ دل ہیں نہ جگر
جو سپر سامنے آئی اسے کاٹا بڑھ کر
عصر کا وقت بھی ہے ختم پہ ہے گرم خبر
ایک ہی درد کئی سمت بٹا جاتا ہے
رات تو رات ہے اب دن بھی کٹا جاتا ہے

(۸۶)

کس میں طاقت ہے کہ جو رخ پہ سپر کو لائے
دل ہو کہنے میں تو ہاں جبر بھی وہ اٹھوائے
فوج میں غل ہے کہ ہم لڑ کے بہت پچھتائے
موت ہنس ہنس کے یہ کہتی ہے کہ پھر کیوں آئے
کہا اب روکئے ہاتھ آپ کہ مجبور نہیں
کہا حیدرؑ کے گھرانے کا یہ دستور نہیں

(۱) اب نئے حال

(۸۷)

رخش پرتن کے یہ بیٹھے تو پیمبرؐ کی طرح
سارے لشکر پہ یہ غالب ہوئے حیدرؑ کی طرح
خون آلودہ جو تھے تیغ دوپیکر کی طرح
سرخ آنکھیں بھی ہوئیں خون کبوتر کی طرح
جوش میں آج نہ ہو کیوں شہ ابرار کا خوں
خون اپنا بھی نہیں حیدرؑ کرار کا خوں

(۸۸)

لوگ اس ڈر سے شہ دیں کو نہیں دیتے ہیں راہ
خوف ہے دیکھ لیں پھر لاشۂ اکبر کو نہ شاہ
وہ پلٹ جاتی ہے لب تک جو کوئی آتی ہے آہ
حد ہے زخموں میں چھپی جاتی ہے ڈر ڈر کے نگاہ
امن زخمی جو نہیں یوں بھی نہیں پاتے ہیں
تیر پر تیر جو پڑتے ہیں تڑپ جاتے ہیں

(۸۹)

مطمئن لڑتے ہیں لاکھوں سے امام ازلی
سب شرف آپ کے مظہر تو مراتب ہیں جلی
آج کس شان سے لاکھوں پہ یہ تلوار چلی
ہر شکن ماتھے کی کہتی ہے یہی تو ہیں علیؑ
پیچھے ہٹتے نہیں پر[1] پاؤں جہاں بڑھتے ہیں
ان کے بازو پہ ملک نادعلی پڑھتے ہیں

(۹۰)

غم جو مہمان ہوا اس کو بھی ٹالا نہ گیا
روشنی بخشِ جہاں جو تھا اجالا نہ گیا
اک سے ڈوبی ہوئی کشتی کو نکالا نہ گیا
اور سے دین پیمبرؐ کا سنبھالا نہ گیا
خود نفس فارق ہستی وعدم ہیں ان کے
رکھے جو دوش نبیؐ پر وہ قدم ہیں ان کے

(۹۱)

ساقیا جام دے اب دل کو نہیں ہے مرے تاب
غرق مئے تھا یہ ابھی دیکھ کے اٹھا ہوں میں خواب
وہ گلابی مجھے دکھلا دے کہ شرمائے گلاب
اور کچھ دیر کا مہماں ہے ابھی عہد شباب
آنکھ اب مجھ سے جوانی کی مڑی جاتی ہے
دیکھ بالوں کی سیاہی بھی اڑی جاتی ہے

(۹۲)

خاص کیوں کر نہ توجہ ہو کہ مجمع ہے یہ عام
لب ساغر سے تسلی کے سنوں گا میں کلام
کیا تعجب ہے جو لکھا ہو اُسی پر میرا نام
جھک کے شیشے نے کیا تھا کسی ساغر کو سلام
ہاں کسی عہد میں دیکھی تھی ادا پینے کی
دی مجھے قلقل مینا نے دعا پینے کی

(۹۳)

ہر طرف اڑتی ہے یوں خاک کہ مٹی ہے خراب
خیر کچھ غم نہیں دیتا ہے اگر صاف جواب
امتحاں تجھ کو ہے منظور تو آ پاس شتاب
میں کسی عہد میں دل کھول کے پیتا تھا شراب
مجھ تہی دست کا نیت کی طرح دل بھر دے
جھابہ میں توڑتا ہوں خم کا ادھر منہ کر دے

(۹۴)

دل تو بے چین ہے اس وقت کی تاخیر ہے قہر
بعد مدت کے مجھے پینے کی پھر آئی ہے لہر
کیسی بے آب ہے ساقی مرے ارمان کی نہر
خیر رگ رگ کا سمٹ جانے دے پھیلا ہوا زہر
اور ہو جائے گا پھر دشمن جانی شیشہ
جو سفید اب ہے وہ ہو جائے گا دھانی شیشہ

---

(۱) پھر

(۹۵)

جنگ کا شوق مرے منہ کو اُدھر موڑ نہ دے
بات کرنے کو مرے ہاتھ کوئی جوڑ نہ دے
مجھ کو یہ ڈر ہے لہو ساتھ مرا چھوڑ نہ دے
خون گرمائے تو رگ رگ کو کہیں توڑ نہ دے
اب چمک سے ہے سر عرش دماغ شیشہ
لَو بڑی دیر سے دیتا ہے چراغ شیشہ

(۹۶)

زخم لو دیتے تھے مہمان تھا جب عہد شباب
آتی تھی خون جگر سے بھی مجھے بوئے شراب
دے کے ساغر کہا ساقی نے یہ ہے سب کا جواب
خیر پیتا ہوں ذرا پھیر لے منھ اب نہیں تاب
بے خبر آگ نکلتی ہے مرے سینے سے
تو ہنسے گا مرے گھبرائے ہوئے پینے سے

(۹۷)

کہہ چکا شوق اگر ہے تو مجھے جام کا ہے
تیرے مطلب کا نہیں یہ تو مرے کام کا ہے
میری قسمت کی ہے مے، جام مرے نام کا ہے
عصر کا وقت نہیں وقت بھی اب شام کا ہے
کون بیتاب ہے اب سینہ فگاروں کی طرح
چاپی شیشوں پہ نظر آتی ہے تاروں کی طرح

(۹۸)

ان سے شکوہ بھی کرے جو ہوں برابر والے
میکدہ سے تو مرے دور ہیں باہر والے
ہاں وہ پیتے ہیں جو ہوتے ہیں مقدر والے
کہیں رکتے ہیں بھلا ساقیٔ کوثر والے
ہونٹ کس حسن ونزاکت سے ملے ہوتے ہیں
لب ساغر سے جدائی کے گلے ہوتے ہیں

(۹۹)

تھا تنک طبع جو ساقی تو بجا تھا یہ عتاب
دل زخمی کو تحمل کی نہیں ہے اب تاب
امتحاں اس کا بھی بہتر ہے کہ ہوجائے شتاب
خون ہلکا ہے مرا اور گراں ہے یہ شراب
بڑھ کے خوں اس سے نہ یہ خون سے بہتر نکلے
مے کے کانٹے میں جو تولے تو برابر نکلے

(۱۰۰)

موج مے تھی وہ جری جس سے ہوئے دل بسمل
فکر زاہد کو یہ ہے توڑ دے میخوار کا دل
وہ تو راضی رہیں یہ بھی تو نہیں ہے مشکل
لطف دو طرح کا ہو ایک ہی جا پر حاصل
کہہ دے زہاد سے للہ مجھے جینے دے[۱]
توبہ توبہ وہ کہے جائے[۲] مگر پینے دے[۳]

(۱۰۱)

رند جو تھا وہ یہاں شہرۂ آفاق بھی تھا
عرصۂ دور طبیعت پہ بہت شاق بھی تھا
وا کئے شوق میں آغوش ہر اک طاق بھی تھا
دل بیتاب وحزیں صبح سے مشتاق بھی تھا
دل کا پیمانہ ہے اس سمت برابر چھلکا
وہ ہنسی آئی تجھے دیکھ وہ ساغر چھلکا

(۱۰۲)

کسی زاہد کو یہ کیوں ہے میرے پینے سے عتاب
سات پردوں میں نہاں ہے میرے آنکھوں کا حجاب
بچپنے میں کبھی تم نے بھی پڑھی تھی وہ کتاب
صاف لکھا تھا یہ جس میں کہ نجس شے ہے شراب
بے خودی میں یہ سبق پڑھ لیا اکثر الٹا
دیکھ کر فصل جوانی کو وہ دفتر الٹا

---

(۱) دیں (۲) جائیں (۳) دیں

(۱۰۳)

کم نہیں بادہ کشی خانہ خرابی کے لئے
قرب مے خوب نہیں مردم آبی کے لئے
جام کوثر بھی تو ہیں مجھ سے شرابی کے لئے
پھوٹ نکلا ہے لہو تن کا گلابی کے لئے
اس جگہ جمع ہیں سب نشہ کے چڑھنے والے
یا علیؑ کہہ کے سنبھل جاتے ہیں گرنے والے

(۱۰۴)

دیکھتے ہیں جسے آنکھوں سے وہی تو ہے یہ خواب
دل بھی ہے میری نگاہوں کی طرح سے بیتاب
میری اٹھ بیٹھ کا آساں ہے اگر ہو یہ جواب
بیٹھیں مئے خانے کی دیواریں اٹھے موج شراب
یہ پری اور بھی دوطرح سے شرمائے مجھے
ساقیا بھی ہو مرا جوش بھی آجائے مجھے

(۱۰۵)

آج ہے غزوۂ خیبر کی حقیقت پہ نظر
لکھ چکا مدح حسینؑ ابن علیؑ کا دفتر
میں سنبھل جاؤں گا پھر نام علیؑ کا لے کر
دیکھ لیں میری طرف ساقیٔ کوثر ہیں کدھر
نشہ مئے میں تو سمجھا نہیں کیا کہتے ہیں
اسی ساقی کو نصیری کا خدا کہتے ہیں

(۱۰۶)

زندگانی میں سمجھتا ہوں یہی حاصل ہے
در میخانہ پہ مدت سے مری منزل ہے
یا علیؑ آیئے اب ضبط بہت مشکل ہے
میرا ساقی ہے وہ ساقی کہ جو دریا دل ہے
اسی پینے کی طبیعت کو بھی لہرآئی ہے
کٹ کے جو کوثر و تسنیم سے نہر آئی ہے

(۱۰۷)

کیوں چلے آتے ہیں زہاد کی جانب سے پیام
ترک مئے کے لئے کہتے ہیں تو ہے میرا سلام
جانتا ہوں کہ ترسنے کا ہے بہتر انجام
اک نہ اک دے گا کہ اس دور میں بارہ ہیں امام
تھا کشاکش میں غموں کی دل مضطر اول
گیارہ ہیں بعد میں اور ساقیٔ کوثر اول

(۱۰۸)

جنگ کا ذکر تھا کیوں ہوگئے میکش خاموش
اس طرف اڑتے ہیں سر جیسے ادھر اڑتے ہیں ہوش
پسر سعد یہ کہتا ہے کہ کیا ہوگیا جوش
پہلواں ہوگئے لاغر نہ رہے وہ تن وتوش
اب کھلا حال کہ ان سب میں کوئی مرد نہ تھا
ایسا چہرہ کوئی دیکھا نہیں جو زرد نہ تھا

(۱۰۹)

پہلواں تھا کوئی رے کا کہ نہ تھا جس کا نظیر
غیظ اسے آگیا سن لی جو شقی کی تقریر
کہا آئے تو میرے سامنے آئے تو امیر
اور وہ تیغیں بھی کاٹھی میں جو رہتی تھیں اسیر
کیوں بھروسہ اسے اپنی سپہ شام پہ ہے
لکھ لے پہلے ہی سے یہ فتح مرے نام پہ ہے

(۱۱۰)

جنبشیں دوں میں پہاڑوں کو اگر ہوں برہم
تھی یہ تلوار مرے حق میں مزیل غم وہم
اس کی برش کی جو غازی ہیں وہ کھاتے ہیں قسم
رات کو شوق سحر میں مجھے نیند آتی ہے کم
موت آئی ہوئی دہشت سے پلٹ جاتی ہے
میان سے کھینچنے میں رات بھی کٹ جاتی ہے

(۱۱۱)

کہا افسر نے کہ یہ معرکہ ہے آفت خیز
اسی تلوار کو پھینکے گا تو ہنگام گریز
کیوں یہ کیا ہے کہ وہ جرأت نہیں، ہنگام ستیز
رشتہ عمر کو کاٹے تو یہ تلوار ہے تیز
عقلا کی ہو --------- بس ختم یہیں
تو نہ لڑتا تو یہ تھا خاتمہ بس ختم یہیں

(۱۱۲)

مدح شمشیر کا مخفی تو نہیں ہے مقسوم
تجھ سے بڑھ کر تری تلوار کی ہم سنتے ہیں دھوم
گردشیں بخت کی رہ جائیں گی بیکار نہ جھوم
سب کو تلوار کی بہتر ہے حقیقت معلوم
فرق مرنے میں نہ اب ہے نہ ترے جینے میں
ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتے ہیں نفس سینے میں

(۱۱۳)

گھرگھرا کر کہا خیمہ نے کہ باہر یہ نہ جائے
کہیں رکتا ہے اجل جس کے لئے دور سے آئے
اور کچھ دیر ہوا دہر کی کھاتا ہے تو کھائے
پردے پردے میں قناتوں نے سخن خوب سنائے
میں کہوں گا کہ شرر چھوڑ کے پتھر نکلا
تن سے دم اس کا کہ خیمہ سے ستمگر نکلا

(۱۱۴)

چھیڑ ہے آئینۂ دل جو ٹپک کر ٹوٹا
کہا ارمان بھی نکلا تو رلاکر نکلا
اپنے خیمہ پہ نظر کی تو یہ گھبراکے کہا
گردیہ سرخ قناتیں ہیں کہ خوں کا دریا
دل یہ کہتا ہے کہ ہنگام مصاف آیا ہے
کہا خادم نے لہو بہر طواف آیا ہے

(۱۱۵)

جنگ کے شوق میں کاٹھی سے نکالی تلوار
کہا خادم سے کہ کیوں لے نہیں آتا رہوار
اپنے جامے سے بھی باہر ہوا وہ ظلم شعار
تیز رو رخش جوآیاتو ہوا بڑھ کے سوار
بل بھی چتون پہ ستمگر نے برابر ڈالے
دونوں قدموں کے رکابوں پہ بھی لنگر ڈالے

(۱۱۶)

جب ہوئی رد و بدل ختم نئی چال چلا
وہ پئے جنگ و جدل مضطرب الحال چلا
قد سے جو کچھ ہے زیادہ وہ لئے ڈھال چلا
قبضۂ تیغ سے لپٹا ہوا رومال چلا
ہوگا کب طالب امداد کسی سے ظالم
زخم باندھے گا کلیجہ کے اسی سے ظالم

(۱۱۷)

قصد لڑنے کا بصد عجز وبصدجاہ کیا
رخ ستمگر نے وہیں سے طرف شاہ کیا
پہلے اپنے حسب ونام سے آگاہ کیا
خوب شیطان نے گمراہ کو گمراہ کیا
موت کو ایک مجھے ایک ہے پہچان اس کی
پسر سعد کے کہنے سے گئی جان اس کی

(۱۱۸)

اس کی تذلیل کا سامان بھی کیا کیا نہ ہوا
پہلے کچھ تیر لگائے پہ نتیجہ نہ ہوا
آج کے پہلے وہ اس طرح سے رسوانہ ہوا
پہلے ہی تیر ملا خاک میں اچھا نہ ہوا
زخم دل کی نہ زمانے میں دوا پائے گی
اب کہاں جھک کے جوڈھونڈے گی بھلا[۱] پائے گی

(۱)پڑا

(۱۱۹)

موت سمجھی ہے کہ اب چل گئے قابو میرے
سچ ہے خالی نہیں جاتے کبھی جادو میرے
اس کا مطلب کہ شکستہ ہوئے پہلو میرے
یہ کماں کہتی ہے باندھے گئے بازو میرے
بند بند اس کے غم و درد کے مارے ٹوٹے
تیر اس طرح سے ٹوٹے کہ سہارے ٹوٹے

(۱۲۰)

غم دیۓ روح پیمبرؐ کو سراسر اس نے
کیا جہنم میں بنائے تھے نئے گھر اس نے
ہاتھ کاواک لگایا تو برابر اس نے
شہ پہ نیزے یہ لگائے کہ ہوا پر اس نے
بسملوں کو یہ ادا وہ ہے کہ تڑپائے گی
کچھ لب زخم جگر سے بھی ہنسی آئے گی

(۱۲۱)

پھینکی آخر کو کمند اس نے کہ عاجز تھا شریر
کوئی حاصل نہ ہوا اور ہوا وہ دلگیر
صید کیوں کر کرے جب بن نہ پڑے کچھ تدبیر
ان کی الفت میں کمند آپ ہی پہلے تھی اسیر
سب پہ غالب ہیں کہ ہیں شیر خدا کے بیٹے
قید ہوتے ہیں کہیں عقدہ کشاء کے بیٹے

(۱۲۲)

کہا خادم سے کہ اس کی بھی تجھے دوں گا سزا
اسلحہ کو مرے آراستہ اب تک نہ کیا
کہا اس نے کہ تری جان بچا دی گویا
تیرے نیزے کا ہوا بند سے ہر بند جدا
فرد عصیاں نے ترے خوب اثر ڈالا ہے
روشنی دن کی ہے اور رات کا منھ کالا ہے

(۱۲۳)

سب یہ سامان تھے جس میں نہ ترا دل ٹوٹے
خیر دم بھر کو سہی کوئی مزا تو لوٹے
جتنے دعوے تھے ترے سب تھے وہ جھوٹے جھوٹے
تیر ترکش میں بھی کچھ کہہ دے کہ ٹوٹے ٹوٹے
کیا کرے کوئی کہ جامے سے اگر باہر ہیں
تیر ترکش سے نکالے ہوئے سر باہر ہیں

(۱۲۴)

دیکھنے والوں کو آئی یہ لڑائی نہ پسند
خون آلودہ نفس ہوتے ہیں سینوں سے بلند
دیکھتا جاتا تھا مڑ مڑ کے ستمگر کو سمند
پھینک دی ہاتھ سے آخر کو شقی نے وہ کمند
پہلے کچھ دیر تو جنبش رہی بسمل بن کے
رہ گئی خاک پہ پھر جادۂ منزل بن کے

(۱۲۵)

کھنچ گئیں یوں کہ پہنچنے بھی تو پائی نہ نگاہ
رشتۂ عمر کے مانند ہوئی تھی کوتاہ
دیر کچھ بھی نہ ہوئی طے ہوئی جلدی سے وہ راہ
وہ جو شانے کے قریب آئی تو کی اس نے بھی واہ
ایسی بگڑی کہ جفا جو کی نہ تقدیر بنی
تا بہ لب پہنچی تو الجھی ہوئی تقریر بنی

(۱۲۶)

تبر و تیر و سناں کام میں جب لا سکا سب
پہلے تو جوڑ کے ہاتھوں کو ہوا اذن طلب
اعتنا شہ نے نہ کی جب تو بڑھا غیظ و غضب
موت نے ہنس کے کہا خیر بر آیا مطلب
میں تسلی کو لئے دل بھی ترا ہاتھ میں ہوں
تو اکیلا تو نہیں ہے میں ترے ساتھ میں ہوں

(۱۲۷)

دیکھ لے آج سپر یونہی سیہ کار کے ساتھ
حسرتیں ہوتی ہیں جیسے دل بیمار کے ساتھ
اب تھکے ہاتھ بھی چلنے لگے تلوار کے ساتھ
موت کے کان کھلے تیغوں[1] کی جھنکار کے ساتھ
دیکھنے سیر ادھر فوج عدو کی آئی
اس کو بو اپنے پسینہ سے لہو کی آئی

(۱۲۸)

پہلے کاٹھی کو اسی تیغ کی کاٹا کئی بار
اپنے سائے کو بھی تلواریں لگائیں دو چار
صورت قلب جفا جو نہیں گھوڑے کو قرار
موت بولی کہ اسے پھینک کے بھاگ اے رہوار
دفتر زیست سے یہ نام نہ کٹ جائے کہیں
دو طرف ایک مرا غیظ نہ بٹ جائے کہیں

(۱۲۹)

تجھ کو پہلے سے شناسائی تھی اس راہ سے کیا
مل گئی راہ جہنم دل آگاہ سے کیا
شیر کا کوئی زیاں ہوتا ہے روباہ سے کیا
تو لڑے گا پسر ضیغم اللہ سے کیا
تیرے لڑنے سے مجھے آج حیا آتی ہے
دور سے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

(۱۳۰)

کیا رجز اب وہ پڑھے پہلے زباں کھول چکا
خوب یہ آج لڑا خوب پرے رول چکا
اسی تلوار کو تولے کہ جسے تول چکا
اب تو چپ چپ ہے ہر اک سمت کہ رن بول چکا
خیر یوں دامن مقصود سے دامن بھر لے
کوچ نزدیک ہے باتیں تو اجل سے کر لے

(۱۳۱)

مسکراتے تھے لڑائی پہ شہنشاہ زمن
آتے جاتے تھے برابر سے ہر اک سو توسن
خون روتے تھے جفا کار کے سب زخم بدن
بے سہارے تھا لہو اس لئے تھاما دامن
کلیاں دامن کی تری پا جو گئیں کھلنے لگیں
اٹھ کے سب خون کی دھاریں بھی گلے ملنے لگیں

(۱۳۲)

تیغیں دو ایک جو ہیں وہ جو ادھر آجائیں
گردشیں پیش نظر بن کے سپر آجائیں
منہ کو کھنچ کھنچ کے ابھی قلب وجگر آجائیں
شاخیں ہلتی ہوئی ہر اک کو نظر آجائیں
دل نہ مردہ ہو تو بیشک دل تخمیر کھنچے
اس کے بہکے ہوئے ہاتھوں کی جو تصویر کھنچے

(۱۳۳)

اُس ستمگر نے بھی اب تن کے اٹھائی تلوار
گردن رخش کے بھی پاس نہ آئی تلوار
کیوں نہ ہر ایک کو دکھلائے صفائی تلوار
یا علیؑ کہہ کے ادھر شہ نے لگائی تلوار
کوششیں خاک ہوئیں بانیٔ شر بچ نہ سکا
ڈھالیں دو ہو چکی تھیں اس پہ بھی سر بچ نہ سکا

(۱۳۴)

لئے جاتے تھے لڑائی میں ید اللہ کا نام
کاٹ کر سر کو کھنچی جب شہ والا کی حسام
پسلیاں کٹ گئیں سب، رونے لگا وہ ناکام
موت بولی یہی پہلو سے ہو میرا بھی سلام
ٹھوکریں کھاتا ہے کیا وہ تن بے سر خالی
رک گیا وہ بھی جہنم میں جو تھا گھر خالی

---

(۱) تیغ

(۱۳۵)

ایک سے ایک ستمگر نے یہ گھبرا کے کہا
ہم سے تو اس کا تڑپنا نہیں دیکھا جاتا
دم چرانے کا گماں اس کے تڑپنے سے ہوا
کوئی بالش ہے نہ بستر ہے تردد کی ہے جا
شہ نے فرمایا کہ راحت بھی اسے ہو جائے
تیغ کو رکھ دو سرہانے کہ شقی سو جائے

(۱۳۶)

ہاں کدھر ہیں مرے آقا کہ میں جن کا ہوں غلام
اب میں کہتا نہیں جب تک مجھے دے لیں انعام
دل کو زخمی کئے دیتے ہیں معاند کے کلام
ترک ہو مدح ائمہ یہ ہے مشرب میں حرام
ہے یہی شغل ہمیشہ سے برابر اپنا
در جنت سے اٹھالوں گا نہ بستر اپنا

(۱۳۷)

فیض سے مدح کے اب گلشن جنت بھی ملا
جو چمکتا رہا وہ گوہر عزت بھی ملا
نخل طوبیٰ بھی ملا ثمرۂ مدحت بھی ملا
اُسی سرکار سے یہ زور طبیعت بھی ملا
ڈھونڈھ کر جادۂ عرفان وحقیقت پایا
جس سے باہر ہوا جامے سے وہ خلعت پایا

(۱۳۸)

حملہ آور ہوئے پھر فوج پہ لو شاہ زمن
گردنے دے دیئے پھر[1] بھاگنے والوں کو کفن
آستیں الٹے ہیں گرد ان لئے ہیں دامن
اسداللہ کے لڑنے کے ہیں یہ خاص چلن
چھپ گئے میان میں خنجر بھی اُدھر ڈر ڈر کے
رنگ گھوڑے نے بھی بدلا ہے لہو میں بھر کے

(۱۳۹)

آگ پانی نے لگائی ہے یہ ہر سؤ ہے پکار
اس مصیبت میں کسی کا نہیں کوئی غم خوار
پیدل اک سمت کو بھاگے ہیں تو اک سمت سوار
اُس طرف بھاگتا ہے اپنے ہی پردے میں غبار
خوں کے دریا میں ہر اک قلب حزیں غرق رہا
آسماں اور زمیں میں نہ کوئی فرق رہا

(۱۴۰)

لوگ گھبرا کے جو گرنے لگے دریا میں اُدھر
پہلے سے بڑھ کے بھی کچھ آ گئے چکر میں بھنور
مجھ کو کیا کام ہے کہتا ہے یہ بڑھتا ہوا ڈر
لے چلیں موجوں کی تلواریں حبابوں کی سپر
اس کو بھی اپنے مقدر کی بدی سمجھے ہیں
ڈوب مرنے کو حیات ابدی سمجھے ہیں

(۱۴۱)

زندگانی میں یہی وقت نہایت بد ہے
خاک ہوجائیں حبابوں کو اسی کی کد ہے
منزل شہر خموشاں کی یہی سرحد ہے
یہ حباب اب لب دریا ہے کہ اک گنبد ہے
کروٹیں موجیں بھی دل کھول کے کچھ لے نہ سکیں
چادریں پانی کی مردوں کو کفن دے نہ سکیں

(۱۴۲)

جو کہ ذلت کے ہمیشہ سے ہیں در پے بھاگے
چھوڑ کر بربط و سرچنگ و دف و نے بھاگے
تھوڑے تھوڑے جو قشون عرب ورے بھاگے
ایک سے ایک یہ کہتا تھا ارے کے بھاگے
وہ یہ کہتا تھا کہ دنیا نہیں رہنے کے لئے
ایک سمجھا کہ یہی ایک ہے کہنے کے لئے

(۱) پر

(۱۴۳)

سپہ شام کا وہ خوف وہ دہشت وہ ہراس
کچھ بن سعد ستمگر کا کسی کو نہیں پاس
اس طرف چہرے کے مانند ہے دل سب کا اداس
کوئی انداز بھی کرسکتا ہے کیسی تھی وہ پیاس
یوں چبائی تھی زباں رہ گئے ہیں دب دب کے
حلق کے کانٹے بھی چبھتے ہیں جگر میں سب کے

(۱۴۴)

بھاگا لشکر کو بن سعد سیہ رو لے کر
آرزو دل کی جو آئے شہ خوشخو لے کر
موجیں بڑھ آئیں حبابوں کو لب جو لے کر
ہاتھ حضرت کا رکا رحم کا پہلو لے کر
ختم اپنے کو شہ دیں کا ترس بھی سمجھا
آخری ہے یہ سواری یہ فرس بھی سمجھا

(۱۴۵)

ہاتھ رکنا تھا کہ پھر فوج کے بادل آئے
جو ابھی بھاگ گئے تھے وہی سب یل آئے
جب سوار آچکے میداں میں تو پیدل آئے
بعد میں بودے جری جو تھے وہ اول آئے
سب نے منہ ظلم وتعدی سے نہ پھیرا افسوس
ایک پیاسے کو کئی لاکھ نے گھیرا افسوس

(۱۴۶)

ہائے اک وقت میں تھے سیکڑوں دشمن اک جا
زخم اک سمت عدو ایک طرف گرم وغا
اپنے ناموس کی آواز جدا دھوپ جدا
پیاس اس حد کی کہ جس حد کو نہ دکھلائے خدا
جو گرہ ہوگئی مضبوط وہ کھولی نہ گئی
حلق کے کانٹوں سے حد پیاس کی تولی نہ گئی

(۱۴۷)

تیر دل پر جو پڑا ہو گیا سینہ بھی فگار
ایک نے شانے پہ تیر اک نے لگائی تلوار
زخم پر زخم پڑے ہوگیا جینا دشوار
کوئی پیاسا ہے یہ کہتی ہے ہر اک خون کی دھار
شہ یہ کہتے ہیں کہ بیکس ہوں پہ مجبور نہیں
ظلم کرلو کہ قیامت بھی بہت دور نہیں

(۱۴۸)

خاک پر خون پیمبرؐ کا بہاتے کیوں ہو
میں مسافر ہوں مسافر کو ستاتے کیوں ہو
اُسی دکھتے ہوئے پھر دل کو دکھاتے کیوں ہو
زخم ہے سینکڑوں پھر زخم لگاتے کیوں ہو
سہ چکا اب میں غم تشنہ دہانی، دے دو
ذبح کرنا ہے تو یارو مجھے پانی دے دو

(۱۴۹)

اب غلامان حسینؑ ابن علیؑ ہوں ہشیار
تیر پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ شکر غفار
صبر وہ صبر کہ جس صبر پہ جانیں ہیں نثار
مسکراتے ہیں اگر پڑتی ہے منہ پر تلوار
جائیں جنت میں بھی ہنستے ہوئے ارماں یہ ہے
خاص جو شان امامت کی ہے وہ شاں یہ ہے

(۱۵۰)

آیا نیزے کو لئے آہ سنان گمراہ
کردیا فاطمہؑ زہرا کے بھرے گھر کو تباہ
ایک نیزہ جو لگایا تو گرے کھینچ کے آہ
یہ خیال اس کو ہوا گر کے نہ اٹھیں کہیں شاہ
ہائے دشوار ہوا خلق میں جینا شہ کا
اُسی نیزے سے دبائے رہا سینہ شہ کا

(۱۵۱)

اک نئے غم کی یہاں پر میں سناتا ہوں خبر
اس کو بھی عم معظم نے پڑھا تھا اکثر
بیٹھ جانے کا سبب ضعف ہے یہ سچ ہے مگر
بار بار آپ کے اٹھنے سے بھی ٹکڑے ہے جگر
ضعف سے بیٹھنے میں رنج بڑے ہوتے ہیں
تیر چبھتے ہیں جو گھبرا کے کھڑے ہوتے ہیں

(۱۵۲)

بعض وہ ہیں کہ مکاں ہوتے ہیں جن کے برباد
بعض وہ لوگ ہیں مرجاتی ہے جن کی اولاد
کوئی غربت میں ہے پیاسا کوئی محو فریاد
ہر مصیبت میں حسینؑ ابن علیؑ آتے ہیں یاد
منحصر دن پہ نہ یہ ظلم ہے، نے رات پہ ہے
منتہا سارے مصائب کا اسی ذات پہ ہے

(۱۵۳)

کربلا جو کہ گئے ہیں انہیں اس کی ہے خبر
عمر ہو جاتی ہے واں پیٹنے رونے میں بسر
وہ اداسی ہے کہ شق ہوتا ہے سینے میں جگر
درودیوار کے روزن میں عطش کا ہے اثر
شہ نے پایا نہ دم تشنہ دہانی پانی
خاک بھی واں کی یہ کہتی ہے کہ پانی پانی

(۱۵۴)

کی خداوند دو عالم نے نہ محنت برباد
اہل عالم کو بھی یہ نام فقط رہ گیا یاد
ہاں اسی کے لئے مخصوص ہے شور و فریاد
ایک کو بھی نہ ملا آج تلک اذن جہاد
حاصل رنج و الم جو ہیں وہ معلوم ہوئے
سب امام آپ کی تاثیر سے مظلوم ہوئے

(۱۵۵)

گر کے گھوڑے سے زمیں پہ شہ صفدر تڑپے
کس زباں سے میں کہوں ہائے کہ کیونکر تڑپے
خود بھی محبوبؐ خدا دل کے برابر تڑپے
گھر میں کس طرح نہ پھر زینبؑ مضطر تڑپے
رو کے کہتی تھیں یہ فضہ سے جگر پھٹتا ہے
سچ بتا کیا مرے بھائی کا گلا کٹتا ہے

(۱۵۶)

وہ یہ کہتی تھی کہ ہاں خاک پہ ہے وہ مظلوم
کیا کروں کیا نہ کروں گرد ہے اعدا کا ہجوم
پیٹ کر خیمہ سے نکلی تو ہوا یہ معلوم
ہر طرف دشت میں قتل شہ بیکس کی ہے دھوم
تا بہ لب کھنچ کے کلیجہ دم فریاد آیا
آپ یوں لاش پہ پہنچیں کہ خدا یاد آیا

(۱۵۷)

رتبۂ حضرت زہراؑ سے بھی واقف ہیں بشر
ایک عالم نے پڑھا اس کو کہ سچ ہے یہ خبر
ذکر زینبؑ کا ہو کس طرح کہ ہلتا ہے جگر
کس طرح کس نے ہٹایا یہ کہوں میں کیوں کر
لب پہ یہ تھا کہ میں آئی ہوں دہائی کے لئے
راہ دے دو کہ تڑپتی ہوں میں بھائی کے لئے

(۱۵۸)

اُس طرف حکم بن سعد سے شمر آ گیا پاس
دیکھ کر شکل شہ دیں کواڑے ہوش وحواس
کہا افسر نے کہ کر ذبح بس اب کیوں ہے اداس
کہا رک جائے گا خنجر بھی کہ دو دن کی ہے پیاس
کہا بیکس کا گلا پیاس میں کٹ جائے کہیں
لاشۂ شاہ سے زینبؑ نہ لپٹ جائے کہیں

(۱۵۹)

خوب تقریر سے ظالم کو دئے اس نے فریب
دل سے رخصت ہو نہ کس طرح سے اب صبر وشکیب
کہا یہ شمر سے حضرت نے تجھے اب ہے یہ زیب
ذبح کرواں پہ مجھے سامنے ہے جو کہ نشیب
پھر تو خنجر بھی یہ گردن سے بصد جبر ملے
زندگی میں مجھے کچھ دیر ہی کو قبر ملے

(۱۶۰)

ایسے ظلموں کا بھی دنیا میں ٹھکانا ہے کہیں
تر ہوئی خون پیمبرؐ سے وہ مقتل کی زمیں
کس طرح لے گیا شبیرؑ کو وہ دشمن دیں
تا قدم ہاتھ جو پہنچا تو ہلا عرش بریں
آخر وقت بھی تڑپا کئے شہ پانی کو
ذبح کرنے لگا وہ فاطمہ کے جانی کو

(۱۶۱)

سر لئے ہاتھ میں پھر شمر بد اختر آیا
پسر سعد کی کرسی کے برابر آیا
کہا افسر سے کہ ارمان دلی بر آیا
کس خوشی میں کہا ظالم نے کہ کیا سر آیا
کہا ہاں تو بھی سوئے تشنہ دہن دیکھ تو لے
کہا سر نیزے پہ رکھ شہ کی بہن دیکھ تو لے

(۱۶۲)

پسر سعد نے کچھ سونچ کر یہ حکم دیا
ابھی کھولیں نہ کمر لوگ کہ باقی ہے جفا
خط جو کوفہ کا ہے اس میں ہے یہ مضمون لکھا
اکتفا ذبح پہ کی جائے نہیں یہ زیبا
ظلم پر ظلم کرو صرف زرومال کرو
لوٹ لو خیموں کو اور لاش کو پامال کرو

(۱۶۳)

وقتِ پامالیٔ شہ حال یہ تھا زینبؑ کا
دوش پر ثانی زہراؑ کے نہ باقی تھی ردا
رو کے کہتی تھیں یہ زینب کہ مری جاں ہو فدا
وقت آخر بھی نہ آواز سنائی بھیا
زندگی میں تو نہ ہے ہے رخ سرور دیکھا
اب جو دیکھا بھی تو نیزے پہ فقط سر دیکھا

(۱۶۴)

روک جاویدؔ قلم نظم کی طاقت نہیں اب
روح حضرت کی قسم مجھ پہ بھی ہے رنج وتعب
حق سے کہہ واسطے سے ان کے برآئے مطلب
حال جو میرے مصائب کا ہے روشن ہے وہ سب
آرزو یہ ہے کہ چلنے لگیں سب کام بخیر
چین دنیا میں ہو عقبیٰ میں ہو آرام بخیر

نوٹ: مرثیے کے نسخوں کے اختلاف کو حواشی میں درج کر دیا گیا ہے

مدح حضرتِ امام حسن علیہ السلام

محترمہ مرضیہ شمسی زائرہ صاحبہ، جوہری محلہ، لکھنؤ

یارب اثر عطا ہو میرے لب و دہن میں
کلیاں چٹک رہی ہیں غنچے مہک رہے ہیں
ارض و سما میں ہر سو اک نور جلوہ گر ہے
سورج نے منہ چھپایا تاروں نے لیں بلائیں
بچے کو غسل دینے آیا ہے آبِ کوثر
ایسا حسیں نواسہ اللہ نے دیا ہے
بے مثل ہے شجاعت بے مثل ہے سخاوت
وقت اخیر مشکل آساں ہو زائرہؔ کی

حُسنِ حسنؑ دکھا دوں آئینہ سخن میں
آیا گلِ چہارم گلزار پنجتنؑ میں
نور نگاہِ حیدرؑ آیا جو ہے چمن میں
دیکھا جو ماہِ زہرا چاند آ گیا گہن میں
خشبو بسی ہوئی ہے جنت کے پیرہن میں
خوش ہیں رسولِ اکرمؐ دے کر زباں دہن میں
جو وصف ہے علیؑ میں وہ وصف ہے حسنؑ میں
دل کو سکوں ملے گا دیدارِ پنجتنؑ میں